© rasailojaraid.com

تنزیل و تاویل

امثال القرآن

(۶)

از جناب مولوی محمد ایوب صاحب جیراجپوری

(۲۰) اہل کفر کے انفاق مال کی مثال:

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا وَ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ مَثَلُ مَا یُنْفِقُوْنَ فِیْ ھٰذِہِ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کَمَثَلِ رِیْحٍ فِیْھَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَاَھْلَکَتْہُ وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰہُ وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ۔

(آل عمران - ۱۲۰)

جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کو اللہ کی رحمت سے محروم ہو کر نہ تو ان کا مال کچھ کام دیگا اور نہ ان کی اولاد وہ آگ میں جلنے والے لوگ ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہینگے جو کچھ یہ لوگ اس دنیا میں خرچ کرتے ہیں اسکی مثال اس ہوا کی سی ہے جس میں سخت ٹھنڈک ہو اور وہ اُن لوگوں کی کھیتی کو جا لگے جو (نافرمانی خدا کے باعث) اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے، اور اس کھیتی کو (جلا کر) تباہ کر دے۔ اللہ نے ان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے اوپر آپ ظلم کر رہے تھے (جس کا نتیجہ اس شکل میں ظاہر ہوا)

اس تمثیل میں بتلایا گیا ہے کہ اس شخص کا انجام کیا ہوگا جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے بجائے اپنی خواہشات نفس کی تسکین کے لیے یا شہرت و ناموری کی خاطر، یا حق کی مخالفت اور راہ راست سے دنیا کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روکنے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے خرچ کی مثال اس کھیتی کی سی ہے جس سے کسان بڑی بڑی امیدیں لگائے بیٹھا ہو اور یکایک سرد ہوا کا جھونکا آئے اور اس کی تیز اور حد سے بڑھی ہوئی برودت ساری کھیتی کو جلا کر تباہ و برباد کر ڈالے اور لہلہاتے ہوئے سبزہ کی جگہ سوکھے ہوئے پودے چھوڑ جائے۔

لفظ "صِر" کے معنی میں ارباب تاویل کا اختلاف ہے۔ ایک قول تو وہ ہے جسے ہم نے اوپر اختیار کیا ہے یعنی برد شدید۔

حضرت ابن عباسؓ کا خیال ہے کہ صر کے معنی "نار" (یعنی آگ) کے ہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ "صر" اس آواز کو کہتے ہیں۔ جو ہوا کے تیز و تند جھونکوں سے پیدا ہوتی ہے۔

لیکن ان تینوں اقوال میں کوئی خاص منافات نہیں بلکہ تینوں باہم متلازم ہیں۔ کیونکہ صر ہوا کی اسی سخت برودت کو کہتے ہیں جس کی یبوست (خشکی) نباتات کو اسی طرح جلا دیتی ہے جس طرح آگ۔ اور اس کے ساتھ ہی اس میں تیز آواز یعنی سرسراہٹ بھی ہوتی ہے۔

"ظلموا انفسھم" کی قید میں ایک خاص نکتہ ہے جو اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ کھیتی کے جل کر تہس نہس ہو جانے کی علت خود ان لوگوں کا ظلم اور راہِ راست سے تجاوز تھا ورنہ یہ بات قانونِ قدرت کے خلاف ہے کہ وہ کسی پر ایک شمہ بھی زیادتی کرے۔ دراصل ان کے اسی فعل نے پالے کو دعوت دی کہ وہ آئے اور خدا نے جو نعمت انھیں دے رکھی ہے اسے تاراج کر دے۔ پس ان کا یہ ظلم ہی وہ ہوا ہے جو ان کے اعمال اور نفقات کو ہلاک و برباد کرتی رہتی ہے یہاں تک کہ جس کشتِ عمل کی شادابیوں کا وہ یقین کیے بیٹھے ہیں، قیامت کے دن دیکھیں گے کہ ان کے "ظلم" کی تیز اور سرد ہوا نے اسے جلا کر بے کار بنا رکھا ہے۔

(۲۱) کلمہ طیبہ (علم حق) اور کلمہ خبیثہ (علم باطل) کی مثال:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا
كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا
ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۙ تُؤْتِيْٓ
اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ
وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ
لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝
وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ
خَبِيْثَةِۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ
مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۔

(ابراہیم - ۱۴)

کیا تم نے اس بات پر دھیان نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ
نے (کلمۂ طیبہ کی) کیسی مثال دی ہے "کلمۂ طیبہ" ایک
اچھی ذات کے درخت کی طرح ہے جس کی جڑ مضبوط زمین
کے اندر جمی ہوئی ہے اور جسکی شاخیں آسمان میں ہیں
اور جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا رہتا ہے
اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے یہ مثالیں اس لیے بیان
کرتا ہے کہ وہ (حقائق کا) احساس کریں۔

اور "کلمۂ خبیثہ" کی مثال اس (ناکارہ اور) بد اصل
درخت کی سی ہے جو (بآسانی) زمین کے اوپر سے اکھاڑ لیا جائے
(اور) اسے کوئی جماؤ اور مضبوطی حاصل نہ ہو۔

یہ دو متقابل مثالیں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے فطری جوہروں کو مشاہد کرنے کے لیے
بیان فرمایا ہے۔ ہم ان دونوں مثلوں کی الگ الگ تشریح کرینگے۔

پہلی مثال میں اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ "کلمۂ طیبہ" ایک عمدہ درخت کے مانند ہے۔ وجہ مشابہت بالکل
عیاں ہے۔ کلمۂ طیبہ سے اعمال صالحہ کے پھل نکلتے ہیں جس طرح کہ عمدہ درخت سے کارآمد اور عمدہ پھل پیدا
ہوتے ہیں۔ جمہور مفسرین کے اقوال سے یہی تاویل مفہوم ہوتی ہے جن کا خیال ہے کہ کلمۂ طیبہ سے مراد کلمۂ شہادت
لا الٰہ الا اللہ ہے، کیونکہ یہی کلمہ تمام ظاہری اور باطنی اعمال صالحہ کا سرچشمہ ہے، اور ہر نیک عمل
اسی کلمہ کا ثمرہ۔

علی ابن ابی طلحہ نے اپنی تفسیر میں ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ کلمۂ طیبہ شہادت توحید ہے"
اور شجرۂ طیبہ، ذات مومن ہے "اصلہا ثابت" کا مطلب یہ ہے کہ قول لا الٰہ الا اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مومن کے قلب میں جڑ پکڑے ہوئے ہے اور "فرعها فی السماء" کنایہ ہے اس امر کی طرف کہ یہی کلمۂ شہادت مومن کے اعمال کو عرشِ الٰہی تک پہنچاتا ہے۔

ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ کلمۂ طیبہ سے مراد ایمان ہے۔ یہاں ایمان ہی کو شجرۂ طیبہ سے تشبیہ دی گئی ہے، اور اصل ثابت سے مقصود اخلاص ہے۔ اور ایمان و اخلاص سے جو خوفِ خدا پیدا ہوتا ہے اس کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچنے والی شاخ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اگرچہ کلمۂ طیبہ کی تاویل ان دونوں اقوال میں ایک ہی ہے لیکن ہمارے خیال میں پوری تمثیل کی یہ آخری توضیح زیادہ صحیح ہے۔ اس تشریح سے تشبیہ میں کھلی ہوئی مطابقت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا حسن بالکل نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ مشبہ وہ شجرِ توحید ہے جو مومن کے دل میں اُگ رہا ہے اور مشبہ بہ وہ عمدہ اور پاکیزہ درخت ہے جسکی جڑ نہایت مضبوط ہو، جسکی شاخیں آسمان سے باتیں کرنے والی ہوں اور جو برابر پھل دیے جا رہا ہو۔ غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام صفات "شجرِ توحید" میں کس طرح پائی جاتی ہیں۔ اس کی جڑیں قلبِ مومن کے ریشہ ریشہ میں پیوست ہوتی ہیں۔ اسکی شاخہائے اعمال صالحہ آسمانوں تک جا پہنچتی ہیں۔ اور وہ ہر آن، ہر لحظہ نیکیوں کے اتنے ہی زیادہ پھل لاتا رہتا ہے جتنا زیادہ اس کی جڑوں میں ثبات ہوتا ہے۔ یعنی جتنا ہی زیادہ اس (شہادت توحید) میں اخلاص اور اذعان ہوتا ہے اور جتنا زیادہ قلب کو اس کے جمال سے عشق، اس کے حقائق کی معرفت اور اس کے مقتضیات کی برآری کا لحاظ رہتا ہے اتنے ہی زیادہ اس سے نیک افعال صادر ہوتے ہیں۔

پس جس شخص کے قلب میں یہ کلمۂ طیبہ اپنی کامل حقیقت کے ساتھ جم گیا اور جس کا باطن اس کے لاہوتی رنگ میں پوری طرح رنگ گیا، یقین کرو کہ وہی اُس ماہیتِ الوہیت کا حقیقی رازدان ہے جس کا نشیمن یہی قلبِ مومن ہوا کرتا ہے۔ پھر نہ صرف اسکی زبان واحدانیت کی گواہی دیتی ہے بلکہ اس کے سارے جوارح سے توحید کی شہادت تراوش کرنے لگتی ہے۔ اس کے بعد وہ اس ماہیت (یعنی مقامِ الوہیت)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس کے تمام لوازم کی خدا کے سوا ہر دوسری چیز سے نفی کر دیتا ہے اور ساری مخلوق کو اپنا ہی جیسا ہیچ اور مجبور محض سمجھنے لگتا ہے ۔ اس وقت دنیا اپنی نگاہوں سے صاف طور پر دیکھتی ہے کہ یہ کلمہ طیبہ، جو اس کے دل پر نقش ہے اور جس کا اس کی زبان سے ہر وقت اعلان ہوتا رہتا ہے، کس طرح دم بدم نیکیوں کے حیات آفریں پھل دیتا رہتا ہے، ایسی نیکیاں جو برابر اللہ کے حضور میں پہنچتی رہتی ہیں ۔ گویا یہی کلمہ طیبہ ان اعمال کو بارگاہ الٰہی میں پہنچانے کا ذریعہ ہے ۔ پھر یہی کلمہ بہت سے دوسرے کلمات طیبہ پیدا کرتا ہے جن کے ساتھ مزید نیک اعمال ظہور میں آتے ہیں ۔ اور یہ نیک اعمال ان کلمات طیبہ کو اٹھا کر حضور الٰہی تک لے جاتے ہیں ۔ جیسا کہ ذیل کی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۔ (فاطر - ۲)

اللہ ہی کی طرف کلمہ طیبہ (یعنی اچھی بات) پہنچتا ہے عمل صالح اسے اٹھاتا اور بلند کرتا ہے ۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بتلا دیا ہے کہ عمل صالح ہی کلمہ طیبہ کو عرش تک پہنچاتا ہے ۔ اور مثال زیر بحث میں اتنی بات اور فرما دی ہے کہ یہی کلمہ مومن سے اچھے اعمال کراتا ہے ۔ اب ان دونوں آیتوں کو ایک ساتھ ملا کر پڑھیے ۔ مقصود الٰہی بالکل روشن ہو جاتا ہے ۔ جب کوئی شخص کلمہ توحید کی اصل اسپرٹ کو سمجھ جاتا ہے اور اس سمجھ جانے کا اثر اس کی عملی زندگی میں نمایاں ہو جاتا ہے تو بس یوں سمجھو کہ یہ کلمہ ایک ایسے درخت کی طرح ہے جس کی جڑ اس کے قلب میں مضبوطی کے ساتھ جمی ہوئی ہے اور اس کی شاخیں آسمانی کناروں تک جا پہنچی ہیں اور وہ درخت برابر پھلتا رہتا ہے ۔

"شجرۂ طیبہ" کی تاویل میں سلف کے مختلف اقوال مذکور ہیں ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شجرۂ طیبہ سے مراد کھجور کا درخت ہے ۔ اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے ۔

ایک جماعت کا خیال ہے کہ شجرۂ طیبہ خود ذات مومن ہے ۔ حضرت ابن عباسؓ اور عطیۃ العوفی وغیرہ اکابر کی یہی رائے ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن در اصل ان دونوں قولوں میں اختلاف نہیں۔ نفسِ تشبیہ پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ برکات کے لحاظ سے مومن اور کھجور کے درخت کو ایک دوسرے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اگر کھجور کا درخت شجرۂ طیبہ ہوسکتا ہے تو مومن کا وجود بدرجۂ اولیٰ ہوسکتا ہے۔ اس لیے مشبہ بہ خواہ اسے قرار دو خواہ اُسے، مقصودِ تشبیہ میں کوئی فرق نہیں پڑسکتا۔

ایک اور تیسرا قول یہ بھی ہے کہ یہ شجرۂ طیبہ جسکا ذکر مثال زیرِ بحث میں ہوا ہے، جنت کا ایک درخت ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ تشبیہ کا مقصد اس سے بھی پورا ہوجاتا ہے۔

اس مثال کے اندر اسرار و معارف کا جو بیش بہا خزانہ پوشیدہ ہے وہ بس اسی مرکزِ علم و حکمت ہی کا حصہ ہے جس نے اسے بیان فرمایا ہے۔ آؤ اس کے بعض محاسن کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

درخت میں چار چیزوں کا وجود ضروری ہے۔ جڑ، تنہ، شاخیں اور پھل۔ شجرِ ایمان کے اندر بھی ان چاروں چیزوں کا وجود ہونا چاہیے تاکہ مشبہ اور مشبہ بہ میں کامل مطابقت ظاہر ہوسکے۔ سو علم و معرفت اور اذعانِ قلب شجرِ ایمان کی جڑ ہے۔ اخلاص اس کا تنہ ہے، اعمال اس کی شاخیں ہیں اور پھل وہ اخلاقِ حسنہ اور وہ صفاتِ حمیدہ ہیں جو ان اعمالِ صالحہ کے کرنے سے لازمی طور پر فطرتِ انسانی میں پیدا ہوجاتے ہیں۔ انھیں تمام اشیاء کا لحاظ کرکے فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ کس دل میں ایمان ہے اور کس میں نہیں۔ اگر کسی کے اندر یہ تمام چیزیں موجود پائی جائیں، یعنی اگر اس کا علم عالم الغیب کی نازل کردہ کتابوں کے مطابق ہے، اگر اس کا اعتقاد اس معیار پر صحیح اترتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبانی بیان فرمایا ہے، اگر اخلاص کا نور اس کے دل میں موجود ہے اور اعمال ان اشیاء مذکورہ کے اقتضاء کے موافق صادر ہو رہے ہیں تو سمجھنا چاہیے کہ ایمان کا شجرِ مبارک اس کے قلب میں اُگا ہوا اور تر و تازہ ہے، جسکی جڑیں مضبوط اور جسکی ٹہنیاں آسمان تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اور اگر معاملہ برعکس ہو تو یقین کرلینا چاہیے کہ اس قلب کی سطح پر جو درخت لگا ہوا ہے وہ ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ناکارہ اور بے جان درخت ہے جسکی جڑوں میں کوئی دم نہیں اور جو ایک جھٹکے میں اکھڑ جانے والا ہے۔

پھر یہ دیکھو کہ کوئی درخت اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتا جب تک کہ اس کی آبیاری نہ ہوتی رہے۔ پانی دینا چھوڑ دو کچھ دنوں میں خشک ہو جائیگا۔ شجر اسلام کا بھی یہی حال ہے۔ انسان اس کی باقاعدہ دیکھ بھال نہ رکھے اور برابر تدبر و تفکر اور علم نافع اور عمل صالح سے اس کی آبیاری نہ کرتا رہے تو اس کی شادابی حیات آج نہیں تو کل ضرور ختم ہو جائیگی۔ چنانچہ مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:

"ایمان کپڑے کی طرح پرانا ہو جایا کرتا ہے لہٰذا اپنے ایمانوں کو نیا (تازہ) کرتے رہو"

یہیں سے یہ نکتہ بھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ انسان کی حیاتِ ایمانی کے لیے ان موقت اور پیہم عبادات کی کیسی شدید ضرورت ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ کتنا بڑا اہم احسان ہے کہ اس نے اُس شجرِ توحید کو تر و تازہ رکھنے کا سامان بہم پہنچا دیا ہے، جسکی کاشت اس نے ہمارے قلوب میں کر رکھی ہے۔

اچھے باغ یا عمدہ زراعت حاصل کرنے کے لیے قدرت کا یہ مقررہ قانون ہے کہ اسے بیگانے پودوں سے پاک صاف ہونا چاہیے۔ اگر مالی اپنے باغ کو یا کسان اپنی کھیتی کو ایسے پودوں اور ایسی گھاسوں سے محفوظ رکھتا ہے اور انھیں کھود کھود کر پھینکتا رہتا ہے تو اس کا باغ پوری طاقت کے ساتھ بڑھے اور پھیلے گا۔ اس کے پودوں کو کامل روئیدگی حاصل ہوگی۔ اس میں نہایت کثرت سے عمدہ اور پاکیزہ پھل آئینگے۔ لیکن اگر وہ ایسا کرنا چھوڑ دے تو خود رو پودے اور بیگانہ جھاڑ جھنکاڑ سارے باغ میں پھیل جائینگے، زمین کی قوت نمو کو جذب کرتے جائینگے اور کسان کا اصل مقصود یعنی پاکیزہ پھل لانے والے درخت غذا کی کمی کی وجہ سے بے جان اور پژمردہ ہو کر رہ جائینگے۔ ان میں اول تو پھل آئینگے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی نہیں اور اگر تھوڑے بہت آئے بھی تو ناقص اور ناکارہ ہونگے۔ چنانچہ جو کم فہم اور ناتجربہ کار باغبان اس بات کو نہیں سمجھتا وہ بڑے گھاٹے میں رہتا ہے اور نہیں جانتا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔

پس مومن کو ہمیشہ دو باتوں کی سعی کرنی چاہیے۔ ایک تو یہ کہ اس شجر ایمانی کو برابر پانی دیتا رہے دوسری یہ کہ اس کے ماحول کو اشجار خبیثہ سے پاک صاف رکھے۔ پانی دیتے ہی میں اس کی بقا اور دوام ہے اور دیکھ بھال ہی اس کے کمال نشوو ارتقاء کی ضامن ہے۔

یہ ان اسرار و حکم کے بعض پہلو ہیں جو اس پُر معنی تمثیل کی تہوں میں چھپے ہوئے ہیں اور غالباً اُس سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ ہی کی حیثیت رکھتے ہیں جو اس کی گہرائیوں میں مستور ہے، اور یہ ہمارے اذہان کی نارسائی، ہمارے قلوب کی بے نوری، ہمارے علوم کی کوتہی اور ہمارے اعمال کی بے برکتی کا قصور ہے کہ ہم اس سے زیادہ اپنے ظرف میں نہیں لے سکتے۔ ورنہ اگر ہمارے دل میں روشنی، ہماری روحوں میں پاکیزگی، ہمارے ذہنوں میں جلا اور ہمارے اعمال میں خلوص ہو اور ہم اللہ اور اس کے رسول سے حقیقت کے انوار اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں تو یقیناً کلام الہٰی کے وہ اسرار و معارف ہم پر منکشف ہو جائیں جنکی تابانیوں کے سامنے یہ سارے رسمی علوم اور یہ ساری دنیوی قال اقول ماند پڑ جائے۔ یہی وہ نعمت ہے جو صحابۂ کرام کو نصیب ہوئی اور دوسرے اس سے محروم ہیں اور اسی سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علم و عرفان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء۔

دوسری مثال میں دراصل پہلی ہی مثال کا مقابل پہلو واضح کیا گیا ہے کہ "کلمہ طیبہ" کے مقابلہ میں "کلمہ خبیثہ" کی کیا ماہیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ یہ کلمہ اس شجر خبیث کے مشابہ ہے جو معمولی جھٹکے میں اکھڑ جانے والا ہو۔ جس میں نہ کوئی مضبوط جڑ ہو، نہ بلند و بالا شاخیں ہوں، نہ اچھے پھل ہوں نہ سایہ ہو، نہ سبزہ ہو، غرضیکہ سر سے پاؤں تک اس کے اندر کوئی حسن و خوبی اور کوئی خیر و منفعت نہ ہو۔

"کلمہ خبیثہ" سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق سلف سے چند اقوال مذکور ہیں۔ ضحاک فرماتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں کہ کلمہ خبیثہ کافر کو کہا گیا ہے اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ (اس درخت کی طرح، جس کی صفات اور ماہیت کا اوپر ذکر ہوا) کافر کے اعمال خیر کی روح سے خالی ہوتے ہیں، ان میں کوئی ثبات اور وزن نہیں ہوتا اور نہ اللہ تعالیٰ ان میں کوئی برکت اور منفعت عطا فرماتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک کلمہ خبیثہ سے مراد شرک ہے اور شجرۂ خبیثہ سے مراد کافر ہے یعنی مشبہ شرک اور مشبہ بہ کافر کی ذات ہے۔ آیت کا مدعا یہ ہے کہ شرک کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی جس پر مشرک اعتماد کر سکے۔ وہ اپنی صداقت پر کوئی دلیل نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ کوئی مشرکانہ عمل قبول نہیں کرتا اور نہ اسے اللہ کے حضور میں رسائی ہوتی ہے۔ اسی حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے کہ "نہ تو اس شجر خبیث میں کوئی مضبوط جڑ ہے جو زمین میں جمی ہو، نہ ہی اوپر کی طرف شاخیں ہیں" یعنی مشرک کے جیب و دامن میں کوئی نیکی نہیں ہوتی جسے دنیا یا آخرت میں کوئی وزن حاصل ہو۔

ایک صاحب علم سے پوچھا گیا کہ کلمہ خبیثہ کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا نہ تو اس کے لیے زمین میں کوئی جائے قرار ہے نہ آسمان میں کوئی محل صعود، بلکہ وہ اپنے قائل اور متبع کی گردن میں لٹکا رہتا ہے اور اس وقت تک لٹکا رہیگا جب تک کہ قیامت نہ آجائے۔

ان دونوں مثلوں کے بیان کرنے اور کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی حقیقتیں عریاں کر دینے کے بعد اللہ تعالیٰ ان دونوں کے آثار و نتائج پر روشنی ڈالتا ہے، اور اپنی صفت عدل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۚ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۔ (ابراہیم - ۲۷)	جو لوگ ایمان لائے ہیں انھیں اللہ تعالیٰ پکی بات (یعنی کلمہ طیبہ) کے ذریعہ دنیا کی زندگی (میں بھی) اور آخرت میں بھی دو ثبات" (جماؤ) بخشتا ہے۔ اور اللہ ظالموں کو آوارہ و بے راہ بنا دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت میں انسانی فلاح کا حقیقی راز کھول دیا گیا ہے۔ خدا کی اسی نوازش پر جسے اس نے ثبات اور جماؤ اور قرار بخشنے سے تعبیر کیا ہے، انسان کی کامرانی یا محرومی کا دار و مدار ہے۔ کوئی شخص ایک لمحہ کے لیے بھی اس نوازش سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اگر خدا کسی کو اپنی اس ثبات بخشی کی نعمت سے محروم کر دے تو دیکھتے دیکھتے اس کے ایمان کی اور اسکی زندگی کی بنیادیں ہل جائیں۔ عام انسان تو ایک طرف رہے خود تمام انسانوں کے سردار اور دنیا کے سب سے بڑے صاحب ایمان (بندہ درحی فداہ) کے بارے میں خدا کہتا ہے کہ:

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْــٴًـا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل)

اگر ہم تمہیں ثبات نہ بخشتے تو تم ان مشرکوں کی طرف کچھ (نہ کچھ) ضرور جھک پڑے ہوتے۔

دوسری جگہ ہے:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۔ (ہود - ۱۰)

اور اے پیغمبر! گذشتہ انبیاء کے جتنے قصے ہم تم سے بیان کرتے ہیں ان کے ذریعہ ہم تمہارے دل کو ثبات اور مضبوطی بخشتے ہیں۔

دیکھو حق پر مضبوطی سے جمے رہنے کے لیے پیغمبر کو بھی تائید الٰہی کی ضرورت پڑتی ہے۔ پھر یہی وہ توفیق الٰہی تھی جس نے صحابہ کرامؓ کی ایک مٹھی بھر جماعت کو اپنے سے تگنے دشمنوں کے مقابلہ میں فتحمند کیا۔ اور فتح کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات گناتے وقت مسلمانوں کو یاد دلایا کہ:

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰۗىِٕكَةِ اَنِّىْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ (انفال - ۲)

یاد کرو اس وقت کو جب تمہارا پروردگار (مدد کے لیے نازل ہونے والے) ملائکہ پر وحی کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں پس مومنوں کو ثابت قدم رکھو۔

نہ صرف دنیا کی زندگی میں بلکہ آخرت میں بھی یہ توفیق مومنوں کے شامل حال رہے گی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیسا کہ آیت زیر بحث میں تصریح ہے اور حدیث (مشہور حدیث تجلی) میں بھی آتا ہے کہ "ہو بینہم ویثبتہم" (یعنی اللہ تعالیٰ مسند عدالت پر بیٹھا ہوا ان مومنوں سے سوالات کرے گا اور ساتھ ہی دل میں قوت اور ثبات بھی بخشتا جائیگا)۔ اور "حقیقت مرنے کے بعد ہی کا وقت ایسا ہوگا جبکہ انسان کو اس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت کا شان نزول ہی عذاب قبر فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں بروایت براءؓ بن عازب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ:

"جب مومن قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو ایک آنے والا اس کے پاس آتا ہے اور اس سے پوچھتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا پیغمبر کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، میرا دین اسلام ہے اور میرے پیغمبر محمدؐ صلعم ہیں۔ یہ سن کر وہ اسے زور سے جھنجھوڑتا ہے اور پھر پوچھتا ہے کہ بتا تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور یہ آخری آزمائش ہے جس سے مومن دوچار ہوتا ہے اور یہی وہ وقت ہے جسکے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ الخ — چنانچہ بندہ پھر جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، میرا دین اسلام ہے اور میرے رسول محمد صلعم ہیں۔ فرشتہ یہ سن کر کہتا ہے کہ صدقت (تو نے سچ کہا)"

صحاح کے اندر تھوڑی سی کمی بیشی کے ساتھ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے بعض میں ہے کہ آنے والا فرشتہ ایک نہیں بلکہ دو ہونگے اور مردہ کو زندہ کر کے یہ سوالات کریں گے۔ اسی طرح دوسری روایتوں میں اسی قبیل کی بعض اور تفصیلات بھی ہیں۔

"القول الثابت" سے مراد قول حق اور کلمہ صدق ہے، یعنی قول باطل اور کلمہ کذب کا ضد۔ کیونکہ قول کی دو ہی قسمیں ہیں۔ ایک قول وہ ہوتا ہے جس کے اندر کوئی حقیقت ہوتی ہے۔ دوسرا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ جو حقیقت سے عاری ہوتا ہے۔ حقیقت رکھنے والے قول کو قول ثابت کہا گیا ہے، اور قول اثبت (یعنی ثابت ترین قول) کلمہ توحید ہے کیونکہ یہی وہ سراپا حقیقت قول ہے جس کے ذریعہ اللہ اپنے بندوں کو دنیا و آخرت کی ہر زندگی میں ثبات اور قوت بخشتا ہے۔ اس قول کے اندر اتنی قوت ہوتی ہے کہ انسان جب اس کی کنہ تک پہنچ جاتا ہے تو ساری مادی قوتیں اس کے سامنے ہیچ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ نہ سچے آدمی سے بڑھکر دنیا میں کوئی جری شجاع اور قوی القلب ہوتا ہے نہ جھوٹے سے بڑھکر کوئی ذلیل بزدل اور بے حمیت۔

(۲۲) خدا کے حضور دنیوی تعلقات کی بے اثری کی مثالیں:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۔

کافروں کے لیے اللہ تعالیٰ زوجۂ نوحؑ اور زوجۂ لوطؑ کی مثال دیتا ہے کہ یہ دونوں عورتیں ہمارے بندوں میں سے دو صالح بندوں کے نکاح میں تھیں لیکن انھوں نے (ان کی پیروی کرنے کے بجائے) ان سے غداری کی (اور ان کے خلاف خدا کے نافرمانوں اور گمرہوں سے ملی رہیں) اس لیے ان کے شوہر (اپنی پیغمبرانہ برگزیدگی کے باوجود) اللہ کے مقابلہ میں ان کے کچھ کام نہ آسکے اور ان سے کہا گیا کہ اور دوزخیوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں جا داخل ہو۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۔ (تحریم ۲)

اور اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے زوجۂ فرعون کی مثال بیان کرتا ہے جب کہ اس نے کہا اے میرے پروردگار! میرے لیے اپنے ہاں بہشت میں ایک گھر بنا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجھے فرعون اور اس کے (برے) اعمال (کی لعنتوں) سے نجات دے اور مجھے بچا ان ظالم
سے۔ نیز (وہ دوسری مثال اللہ تعالیٰ) عمران کی بیٹی مریم کی دیتا ہے۔ جو پاکباز اور عفیفہ تھی۔
پھر ہم نے اپنی روح اس میں پھونکی۔ اور اس نے ہمارے کلمات اور ہماری کتابوں کی تصدیق
کی۔ نیز وہ ہمارے فرمانبردار باادب بندوں میں تھی۔

ان آیات میں تین مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک کافروں کے لیے اور دو مسلمانوں کے لیے۔

پہلی مثال میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی پاداش آدمی کو بہر حال ملے گی خواہ اس کا رشتہ کیسے ہی برگزیدہ و مقدس لوگوں سے ہو۔ بزرگوں کے ساتھ اس کے جو نسبی و صہری وغیرہ دنیوی رشتے بھی ہوں، ان میں کوئی اسے نہ بچا سکے گا۔ کیونکہ یہ تمام رشتے قیامت کے دن کٹ چکے ہونگے۔ اگر کوئی رشتہ اس دن کام آسکتا ہے تو وہ رشتہ ہے جسے خدا کے فرستادوں نے خدا اور بندوں کے درمیان قائم کیا ہے۔ ورنہ اگر یہ رحمی، نسبی اور ازدواجی تعلقات منکرین خدا کے حق میں کچھ بھی منفعت بخش ہو سکتے تو نوح اور لوط علیہما السلام کے رشتہ ہائے ازدواجی ان کی بیویوں کے حق میں ضرور مفید ثابت ہوتے جو اگرچہ زمرۂ کفار میں تھیں لیکن ان کے شوہر وقت کے سب سے بڑے باخدا انسان تھے۔ مگر ہوا یہ کہ اتنے قریبی رشتے بھی ان کافر عورتوں کے کچھ کام نہ آئے اور وہ بھی تمام کفر کیشوں کی معیت میں، بالکل انہیں کی طرح مستحق جہنم قرار دے دی گئیں۔

یہ آیت ان تمام لوگوں کی جھوٹی امیدوں کی جڑ کاٹ دیتی ہے جو خود تو دن رات معصیت الٰہی میں ڈوبے رہتے ہیں لیکن توقع رکھتے ہیں کہ فلاں مرد صالح کا دامن اتصال ہمیں اپنے اندر چھپا لے گا اور ہم اخروی سزاؤں سے بچ جائینگے۔ فرض کرلو کہ ایسی بے بنیاد توقعات رکھنے والے کا تعلق اس شخص سے بہت ہی قوی ہے جس کے طفیل یہ رند خراباتی اپنے کو جنت کا وارث سمجھے بیٹھا ہے، لیکن کیا کوئی تعلق، زوجیت اور ابوت و ابنیت کے تعلقات سے بھی زیادہ گہرا زبردست ہوسکتا ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر اگر حضرت نوحؑ اپنے چہیتے بیٹے کو، حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ کو اور حضرت نوح و لوط علیہما السلام اپنی بیویوں کو خدا کی پکڑ سے نہ بچا سکے تو تا بدیگراں چہ رسد۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں قانون مجازات کے اس اصل الاصول کو کئی جگہ بیان فرمایا ہے سورۂ ممتحنہ میں ہے:

"تمہاری رشتہ داریاں اور تمہاری اولادیں قیامت کے روز کچھ کام نہ آئینگی اللہ تعالیٰ (ہی) تمہارے درمیان (بالکل ٹھیک ٹھیک) فیصلہ کرے گا"

دوسری جگہ ہے:

"(قیامت کا دن وہ دن ہے) جب کوئی کسی کو کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔ اور سارا معاملہ اس دن اللہ ہی کے اختیار میں ہوگا" (سورہ انفطار - ۱)

ایک مقام پر اور آتا ہے کہ:

"لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور خوف کھاؤ اس دن کا جب نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام آئیگا۔ اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے" (لقمان - ۴)

یہ تمام آیات مشرکین کی ان ساری باطل تمناؤں کو جھٹلا رہی ہیں جو محض کسی کے "طفیل" نجات کی آس لگائے بیٹھے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بزرگوں کی شفاعت خدا کے روبرو انہیں ہر سزا سے محفوظ کر دیگی یہ سب سے بڑی گمراہی ہے جو کوئی انسان اختیار کر سکتا ہے اور اسی کی بیخ کنی کے لیے سارے انبیاء اور صحف سماوی کا نزول ہوتا رہا ہے۔

یہ مثال تو کفار کی عبرت پذیری کے لیے تھی۔ اس کے بعد روئے خطاب مسلمانوں کی طرف پھرتا ہے اور دو مثالیں ان کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ پہلی مثال میں انھیں بتایا جاتا ہے کہ آخرت میں جس طرح کسی نبی یا ولی کا رشتہ کسی بدکردار شخص کو کیفر کردار تک پہنچنے سے بچا نہیں سکتا، اسی طرح کسی نیکوکار شخص کو کسی منکر حق کی قرابت داری بھی ہرگز ہرگز موجب ضرر نہیں ہو سکتی جبکہ وہ اس کی معصیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پرستی اور اسکے کفر و انکار سے کوئی تعلق نہ رکھتا ہو۔ فرعون سے بڑا دشمن حق شاید ہی پیدا ہوا ہو، لیکن ایسے بڑے کافر کی بیوی بھی جب اللہ کی فرمانبردار بن گئی تو اس کا فرعون کی زوجیت میں ہونا اسکی نجات کی راہ میں بالکل حائل نہ ہوا۔ یہاں ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ پیغمبر کی بیوی اگر بدعمل ہے تو پیغمبر کے رشتۂ ازدواج میں ہونا اسکے لیے کچھ مفید نہیں۔ اور فرعون کی بیوی اگر نیکوکار ہے تو اتنے بڑے کافر و ظالم کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں وابستہ ہونا بھی اسکے لیے کچھ نقصان دہ نہیں۔ مومنوں کے ساتھ کفار کے رحمی رشتے مومنوں کی حیات اخروی کے لیے تو کسی گزند کے باعث نہیں ہوسکتے البتہ یہ ممکن ہے کہ دنیا کی زندگی میں انہیں کوئی نقصان پہنچ جائے اور جب اہل کفر پر خدا کا عذاب نازل ہو تو اس کی لپیٹ میں یہ صاحب ایمان بندے بھی آجائیں۔ اس لیے کہ خدا کی سنت ہی یہ ہے کہ جب بحیثیت مجموعی اس کی اطاعت سے بغاوت ہونے لگتی ہے اور عتاب الٰہی نمودار ہو جاتا ہے تو اس وقت عذاب کی وسعت محض کفار اور معاندین حق ہی تک محدود نہیں رہتی بلکہ ان کے ساتھ رہنے والے جو دو چار صالح بندے ہوتے ہیں وہ بھی اس کی زد میں آجاتے ہیں۔

دوسری مثال میں اسی حقیقت کو ایک تیسرے پہلو سے نمایاں کیا گیا ہے۔ پہلی مثال میں جس عورت کے انجام کو پیش کیا گیا تھا وہ ایسی عورت تھی جس کا تعلق ایک مرد صالح سے تھا۔ دوسری مثال میں جس عورت کا ذکر کیا گیا اس کا رشتہ ایک کافر و فاسق شخص سے تھا۔ اب تیسری عورت (حضرت مریم) کی مثال دی جاتی ہے جو مذکورہ بالا دونوں رشتوں میں سے کوئی رشتہ نہیں رکھتی تھیں۔ ان تینوں اقسام کی عورتوں کے حالات و عواقب بیان کرنے میں دراصل ایک ہی مقصد پوشیدہ اور ایک ہی اصول جزا کا اظہار مطلوب ہے، یعنی یہ کہ ہر شخص اپنی شخصی ذمہ داری پر نجات یا عذاب کا سزاوار بنتا ہے۔ نہ کسی نیک آدمی کا رشتہ اسے آخرت کی سزاؤں سے بچا سکتا ہے جیسا کہ پہلی مثال میں مذکور ہے، نہ کسی بدکار کا رشتۂ مادی کسی کی نجات اخروی میں حائل ہو سکتا ہے جیسا کہ دوسری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثال بتا رہی ہے، اور نہ کسی شخص کی جزاو سزا پر اس کا کوئی رشتہ نہ رکھنا اثر انداز ہو سکتا ہے جیساکہ تیسری مثال (حضرت مریم کی سرگذشت) شہادت دے رہی ہے۔

سورہ کے سیاق پر نظر ڈالنے سے ان امثال کے بعض نکات اور سامنے آتے ہیں۔ پہلے سے ازواج مطہرات کا ذکر چلا آرہا ہے اور انھیں اپنی شخصی ذمہ داریاں یاد دلائی جا رہی ہیں۔ پھر اس سلسلے میں انھیں کے مثل دوسری عورتوں کے حالات پیش کرکے انھیں متنبہ کیا جا رہا ہے کہ اگر تم نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو یاد رکھو رسول اللہ صلعم سے تمہارا انتساب آخرت میں کچھ کام نہ آئیگا جیساکہ لوط اور نوح علیہما السلام کی ازواج کا معاملہ تمہارے سامنے ہے۔ چنانچہ اسی مناسبت سے ان امثال میں عام قرابت داریوں کا ذکر نہیں ہے بلکہ خاص نکاحی رشتوں ہی کا ذکر کیا گیا ہے

یحییٰ بن سلام کہتے ہیں کہ پہلی مثال حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت حفصہ رضؓ کی تنبیہ اور تحذیر کے لیے بیان کی گئی ہے۔ پھر دوسری مثال کے ذریعہ انھیں سمع وطاعت پر ابھارا گیا ہے۔ تیسری مثال میں بھی، جو حضرت مریم سے متعلق ہے اور مومنوں کے لیے بیان کی گئی ہے، ایک اور نکتہ مضمر ہے۔ یعنی یہ کہ حضرت مریم پر یہودی اشرار نے جو جھوٹی تہمتیں تراشی تھیں انھوں نے اللہ کے نزدیک حضرت مریم کو کوئی ضرر نہیں پہنچایا بلکہ وہ اس کے ہاں ویسی ہی برگزیدہ رہیں جیساکہ واقعتہً وہ تھیں اور انھیں اللہ تعالیٰ نے تمام صنف نازک پر فضیلت بخش کر صدیقہ کا مرتبہ جلیلہ عطا فرمایا۔ پس اس مثال سے معلوم ہوا کہ فاسق وفاجر لوگوں کا کسی نیکوکار کو متہم کرنا خدا کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ اس پہلو سے گویا یہ مثال حضرت عائشہ رضؓ صدیقہ کے لیے موجب تسکین وتسلّی بھی ہے، اگر یہ سورہ واقعہ افک کے بعد نازل ہوئی ہو، جیساکہ صحیح روایات سے ثابت ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com